د-موصوف نے دار الحرب کی تعریف کے سلسلہ میں اجلہ احناف کے درمیان اختلاف کیا ہے جبکہ علامہ کاسانی جو کہ حنفی ہیں بدائع الصنائع کے اندر لکھتے ہیں کہ جو احناف کے نزدیک اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دار الکفر اسلامی نظام کے نفاذ کے بعد دار الاسلام ہوجاتا ہے اور دار الاسلام کفریہ نظام کے نفاذ کے بعد دار الکفر بن جاتا ہے جیسا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے'' ہم یہاں احناف کے اس موقف سے بھی متفق نہیں ہیں کہ دار الاسلام کفریہ نظام کے نفاذ کی وجہ سے دار الکفر ہوجاتا ہے، کیونکہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ کمیونزم اور سیکولرزم کے بعض ماننے والے دار الاسلام پر غلبہ حاصل کر کے غیر اسلامی نظام نافذ کردیں جیسا کہ ترکی کے اندر ہے لیکن اس کے باوجود وہ مسلک ملک ہے اسی طرح محض جمعہ اور عیدین کے قیام کی وجہ سے دار الکفر دار الاسلام میں تبدیل نہیں ہوجاتا، ابن عابدین شامی نے رد المحتار کے حاشیہ (۴ر ۱۷۵) کے اندر اسی کے قائل ہیں اور علامہک ابن حجر نے ''فتح الباری (۷ر ۱۳۰) پر ماوردی کا یہی موقف بیان کیا ہے کہ اگر مسلمان کسی غیر اسلامی ملک کے اندر دین کو عام کرنے کی اجازت ہوتو وہ اس بنا پر دار الاسلام ہوگا اور وہاں رہائش پذیر ہونا نقل مکانی سے بہتر ہے، کیونکہ غیر مسلموں کے مشرف بہ اسلام ہونے کی توقع ہوتی ہے۔

۵- فقہ کی تاریخ اور موجودہ زمانے کے اندر ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی نظام کو ناقص قیادت وسیاست اور مسلمانوں کو نامکمل بالادستی حاصل ہے، لیکن انہیں بحیثیت اقلیتی طبقے کے اپنے دینی شعائر کو برتنے اور دینی سرگرمی اختیار کرنے کے لئے مکمل امن وامان کا ماحول فراہم ہے وہ مساجد دینی مدرسے، علمی معاشرتی اور سیاسی ادارے قائم کرسکتے ہیں بلکہ آئینی طور پر انہیں ایک مغربی باشندے کی ہی طرح مکمل سیاسی اقتصادی اور معاشرتی طور پر شہری حقوق حاصل ہوتے ہیں خواہ وہ مسلمان باہر سے آئے ہوں یا وہاں کے اصل باشندے ہوں انہیں مغرب کے اندر مکمل شہریت حاصل ہوتی ہے نیز ان کی اولاد کو اپنی رہائش کے پہلے دن سے

ہی اس ملک کی قومیت حاصل ہوجاتی ہے جہاں کہ وہ پیدا ہوتے ہیں اور انہیں جملہ قومی حقوق حاصل ہوتے ہیں کیا ان تمام باتوں کے باوجود بھی ان مما لک کو دار الحرب قرار دیا جائے گا؟ ان مما لک کو دار المعاہدہ یا دار الدعوۃ کہنا ہی بہتر ہوگا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہی صحیح رائے ہے کیونکہ ان مما لک کے اندر مسلمانوں کی سکونت پذیری آئینی نظام کے تحت ہوتی ہے جس سے وہ متفق ہوتے ہیں یا اس کی پاسداری کا عہد و پیمان کرتے ہیں اور عہد و پیمان کی پاسداری ان امور کے اندر واجب ہے جس کے اندر شرعاً کوئی قباحت نہ ہو اس کے علاوہ ان مما لک کے اندر مخلصانہ دعوت کے لئے زرخیز میدان اور بھرپور مواقع موجود ہیں جس کی بنا پر انہیں دار الدعوۃ کہا جاسکتا ہے امریکہ یورپ، آسٹریلیا، جاپان اور چین میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی یومیہ تعداد سیکڑوں میں ہوتی ہے ان ملکوں میں تبدیلئ مذہب کی آزادی حاصل ہے جو مصر کے اندر مشرف بہ اسلام ہونے والی ان طالبات کو حاصل نہیں تھا جنہیں چرچ اور مصری نظام حکومت نے دوبارہ عیسائی بننے پر مجبور کر دیا بلکہ یہ کہنا ناانصافی نہیں ہوگی کہ گیارہ ستمبر کے بعد افغانستان اور عراق کے اندر امریکہ کی ظالمانہ کارروائیوں نیز اسرائیل کی سفارتی سطح پر مجرمانہ معاونت کے باوجود اس کی زیادتیوں کا موازنہ مصر کے گذشتہ ۲۰۰۵ء کے انتخابات کے موقع سے ہونے والی زیادتیوں سے نہیں کیا جاسکتا ہے، جمال عبدالناصر کے دور حکومت میں چند ہفتوں کے اندر ایک لاکھ ساٹھ ہزار افراد کی گرفتاری، حافظ اسد کے ہاتھوں چند دنوں کے اندر حماۃ میں تیس ہزار مسلمانوں کا قتل، ایک سال کے عرصے میں صدام حسین کے جبر و ستبداد کی بھینٹ چڑھنے والے مسلمان نویں دہائی کے ابتدائی سالوں میں پارلیمانی انتخابات کے بعد قتل کئے جانے والے مسلمان یا اس کے علاوہ آج کل جو کچھ تیونس وغیرہ کے اندر مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے اس کے سامنے امریکی زیادتیاں ہیچ ہیں۔

و- کسی یورپین ملک کے اندر کام کرانے کے لئے شراب اور خنزیر کے گوشت کی

تجارت کے جواز سے متعلق فتوے کے اندر جس سہل پسندی سے کام لیا گیا ہے اور اس کے لئے ''دارالحرب'' کے اندران چیزوں کے جواز کو وجہ جواز بنایا گیا ہے اس سے اس بات کا اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے کہ اگر اس نظریے کو قبول کرلیا گیا اور ہم اس پر عمل پیرا بھی ہوگئے جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے تو مندرجہ ذیل پیچیدگیاں درپیش ہوں گی۔

۱- دارالحرب کے اندر اقامت اختیار کرنا ناجائز ہوگا چنانچہ مغرب سے جملہ مسلمانوں پر خواہ وہ وہاں کے حقیقی باشندے ہوں یا ہجرت کر کے پہنچے ہوں، ہجرت کرنا واجب ہوگا جیسا کہ الاشباہ والنظائر کے اندر ابن نجیم نے لکھا ہے کہ جو شخص مسلمان ہوتے ہوئے بھی دارالحرب میں رہے وہاں سے ہجرت نہ کرے وہ حربی کے حکم میں ہوگا۔ مسلمانان مغرب پر یہ فتوی جاری کر کے انہیں امر محال کا مکلّف بنانا ہے کیونکہ روئے زمین پر کوئی ایسا ملک نہیں جو ان کو قبول کرے۔

۲- ان کے جان و مال اور آبرو کے ساتھ تعارض جائز سمجھا جائے گا بلکہ علامہ جصاص نے جو کہ حنفی ہیں اپنی کتاب احکام القرآن کے اندر دارالحرب کے اندر قیام کرنے والے مسلمان کی جان و مال اور آبرو کے ساتھ تعارض کو جائز قرار دیا بھی ہے وہ لکھتے ہیں وہ دارالحرب کے اندر اسلام لانے کے بعد مسلمان ملکوں کی طرف ہجرت سے پہلے وہاں مقیم شخص کی جان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

۳- اگر کوئی دارالحرب کی جانب ہجرت کرتا ہے تو زن وشو کے درمیان ازدواجی رشتے کا فسخ ہونا لازم آئے گا جیسا کہ صاحب ہدایہ کا موقف ہے (۲/ ۳۴)۔

۴- ممکن ہے کہ اس طرح کے فیصلے سے نوجوانوں کے اندر تشدد پسندانہ مزاج پیدا ہوجائے جن کی ایک بڑی تعداد ہے اس پر مزید طرح کہ انہیں اہل علم کے ذریعہ درست اسلامی تعلیم وتربیت حاصل نہیں ہے اتنی بات تو طے ہے کہ اس فیصلے سے مغرب کی ہر چیز کے خلاف عداوت کی آگ بھڑک اٹھے گی، اور یہ بھی ممکن شراب اور خنزیر کے گوشت کی فروخت کی جگہ پر

نوجوانوں کے کام کی تلاش زیادہ بڑے اور سنگین مسائل کے سامنے آنے کا یہ فیصلے ذریعہ بنیں۔

۵- یورپ وامریکہ اور ہندوستان کے اندر فقہی اکیڈمیوں اور کونسل نے بحیثیت ایک مسلم اقلیت کے اپنے ملک کے سلسلے میں دارالمعاہدہ اور دارالدعوہ کی رائے قائم کی ہے۔انہوں نے دارالحرب اور دارالاسلام کی رائے کو مسترد کردیا ہے بہتر یہ ہے کہ ہم اس درست فقہی نقطہ نظر کی ہم نوائی کریں جو حسن سلوک کرنے والے کے ساتھ احسان کی پاسداری کے تقاضے کے عین مطابق ہے جیسا کہ علامہ شیخ یوسف القرضاوی نے ''یورپین کونسل برائے افتاء وتحقیق'' کے فیصلوں اور فتاوے پر مقدمے کے اندر لکھا ہے کہ وہ کیا اس طرح کے فتووں کے صادر کرنے کو جواز فراہم کیا جاسکتا ہے جس میں مسلمانوں کو ان مما لک کے ساتھ مالی خیانت پر ابھارا گیا ہو جنہوں نے انہیں پناہ دے رکھی ہے بھوک کی حالت میں انہیں کھانا کھلایا اور خوف وڈر سے انہیں محفوظ رکھا؟ کیا وہ اپنے مصرف میں آنے والی چیزوں کی قیمت اور خدمت گذاری کی اجرت ادا نہیں کریں گے اور جھوٹ بول کر ایسی معاونتیں طلب کریں گے جس کے وہ مستحق نہیں ہیں وہ اپنے ساتھ معاملت کرنے والے کے ساتھ خیانت کے مرتکب ہوں گے؟ ....اس طرح کے جواز کے فیصلے اسلام کی پیشانی پر دھبہ ہیں''۔

۶-مغرب میں مقیم مسلمان کا یہ یقین دن بدن پختہ تر ہوتا رہتا ہے کہ اس کا یہ ملک دعوت کا وسیع ترین میدان ہے اور اس کے باشندگان مسلمانوں کے حقوق کی سب سے زیادہ پاسداری کرنے والے ہیں جس کی بے شمار مثالیں ہیں، برطانوی نظام کے سلسلے میں لوگوں کی کیا رائے ہوسکتی ہے جس نے علامہ یوسف القرضاوی اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کے صہیونی دباؤ کو مسترد کردیا یہ واقع اس موقع سے پیش آیا جب لندن کے میئر نے یورپین کونسل سمیت انہیں مدعو کیا تھا۔علامہ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف واویلا مچایا گیا جس کا دفاع میئر نے کیا اور عین اس ہال کے اندر انہیں خوش آمدید کہا جس کے اندر امریکی صدر بش کو خوش آمدید کہنے سے انکار

کر دیا تھا۔ جولائی ۲۰۰۴ء میں برطانوی حکومت نے ہمارے خلاف کئے جانے والے پروپیگنڈے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ایک دوسری مثال صومالی نژاد دو سویڈن مسلمانوں کی سویڈن حکومت کی جانب سے کی جانے والا دفاع ہے جنہیں امریکی حکومت نے گرفتار کرلیا تھا، ایک تیسری مثال وہ امریکی ہیں جنہوں نے گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد مساجد، دینی مدارس اور اداروں کی جہلاء کی حماقت اور عجلت میں بے سوچے کی جانے والی احمقانہ کارروائیوں سے بچانے کے لئے پہریداری کی تو کیا ہم اس کے بعد بھی ان سے کہہ سکتے ہیں تم لوگ حربی ہو اور تمہارا ملک دارالحرب ہے؟ یا مناسب یہ ہے کہ ہم اس نئے نقطۂ نظر کی ہمنوائی کریں جسے ڈاکٹر طہٰ جابر علوانی نے قوموں کی تقسیم کے سلسلے میں پیش کیا ہے کہ ایک قوم وہ ملت اسلامیہ ہے جس نے مذہب اسلام کو قبول کیا ہے دوسری قوم وہ ہے جو دعوت کا میدان ہے (اور جس کے سامنے ہم داخل اسلام ہونے کی دعوت پیش کرنے کے مکلّف ہیں) (حوالے کے لئے دیکھیں طہٰ علوانی کی کتاب فقہ الاقلیات [اقلیتوں کے مسائل]، اسی طرح انہوں نے دارالدعوہ اور دارالاجابہ کی ایک دوسری علاقائی تقسیم بھی پیش کی ہے (ص ۴۴)۔

۷- میں مغرب کے ہر مسلمان سے اپیل کرتا ہوں کہ جس ملک کے اندر وہ رہائش پذیر ہے اس ملک کے ساتھ اس کا معاملہ اسی قرآنی اور نبوی نظریے کے مطابق ہو جو بنیادی طور پر ان تین نظریاتی نکات پر قائم ہے۔

پہلی بنیاد روئے زمین ہے جس کا مالک اللہ سبحانہ عز وجل ہے اور اسی نے ہم پر اس کی آبادکاری کی ذمہ داری ڈالی ہے چنانچہ دنیا کے جس خطے میں بھی مسلمان جائے وہاں اس کی ذمہ داری آبادکاری ہے نہ کہ تخریب کاری، ارشاد باری ہے: ”**هو أنشأكم من الأرض واستعمركم فيها**“ (سورہ ہود: ۶۱)۔

دوسری بنیاد وہ قوم ہے جن کے درمیان اور ان کے ملک میں ہم رہتے ہیں ہم نماز کی

فرضیت سے دس سال، زکوۃ اور روزے کی فرضیت سے پانچ سال اور حج کی فرضیت سے آٹھ سال پہلے سے ہی، اس قوم کے اندر دعوتی حکمت ودانائی دعوت اور تبادلہ خیال کے بہترین اسلوب کے ذریعہ اسلام کی دعوت پیش کرنے کے مکلّف ہیں اوراس کے لئے ضروری ہے کہ ہم تعلقات کو استوار کریں اور باہمی اعتماد پیدا کریں، باہمی گفتگو کو فروغ دیں ہر طرح کی برائی سے بچنے اور ہراچھے کام میں تعاون کے لئے بنیاد فراہم کریں۔

تیسری بنیاد حکومتیں ہیں جو یا تو مثبت نظریات کی حامل ہوتی ہیں اوران کی معاونت وتائید لازماً عائد ہوتی ہے یا پھر وہ منفی نظریات رکھتی ہیں اوراس صورت میں ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم بحیثیت ایک شہری اور داعی و مصلح کے برائیوں کے روکنے اوردرست مشورہ کے لئے جملہ قانونی وسائل اختیار کریں نہ یہ ہم نو وارد انقلابیوں کا وطیرہ اختیار کریں۔اس سلسلے میں ہم اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں اپنے لئے اسوہ اورنمونہ پاتے ہیں جب آپ کوحضرت اسحاق علیہ السلام اوران کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی گئی تو آپ اس بشارت میں گم نہ ہوکر قوم لوط کے لئے مہلت طلب کی، تاکہ ان کے اصلاح کی کوشش کرسکیں، اسی طرح اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے اندر بھی ہمارے لئے اسوہ موجود ہے کہ انہوں نے اپنی امانت داری اور تجربات پیش کرکے اس غیر مسلم معاشرے کو مستفید فرمایا جس نے آپ کی پرورش وپرداخت کی اورآپ کا بہتر طریقے سے خیال رکھا ایک بہترین نمونہ آپ ﷺ کی اس حلم وبردباری کے اندر بھی ہے جس کا مظاہرہ آپ نے اہل مکہ پر اس کے دونوں پاٹوں کے ملا دیئے جانے کی پیش کش کوٹھکرا کر نیز ان کے لئے ہدایت کی دعا کرکے فرمایا: ''**اللهم اهد قومی فا نهم لا يعلمون**''(اے بارالہٰ تو میری قوم کو ہدایت نصیب فرما وہ مجھے نہیں جانتی)، اسی طرح آپ ﷺ کا یہ قول بھی ہے جب کہ آپ کواہل مکہ پر مکمل قبضہ وکنٹرول حاصل تھا کہ ''**اذهبوا أنتم الطلقاء**''(جاؤ آج تم سب آزاد ہو)، اس

باب میں ایک بہترین مثال سلطان صلاح الدین ایوبی کی سوانح میں ملتی ہے کہ جب انہوں نے صلیبی قیدیوں کو معافی دیدی تو ان میں کے بعض مسلمان ہوگئے اور بعض یورپ واپس لوٹے جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے محاسن کا خوب خوب چرچا کیا جیسا کہ جرمن مستشرق خاتون ریگرڈ ہانکہ نے اپنی کتاب: ''**الله لیس کذلک**'' (خدا ایسا نہیں ہے) کے اندر کیا ہے۔

۳- غیر اسلامی علاقوں میں محرمات کی خرید وفروخت کے جواز پر پیش کئے گئے دلائل کی سند اور متن کی خامیاں

میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں لازماً جمہور علماء امت اور داعیان اسلام کے موقف کو اختیار کر لینا چاہئے کہ مذہب اسلام کے قرآنی ونبوی اخلاق واقدار کے اندر قرآنی نصوص کے عموم کی وجہ سے ردوبدل نہیں ہوتا جس کی ایک مثال حضرت ابوذرؓ کی سند سے مروی ترمذی کی وہ روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم جہاں کہیں بھی رہو خدا تعالی سے ڈرتے رہو اور ہر برے عمل کے بعد اچھا عمل کرو تاکہ برائی کے اثرات زائل ہو جائیں اور لوگوں کے ساتھ بہتر اخلاق کا مظاہرہ کرو'' (سنن ترمذی کتاب البر والصلہ: باب ما جاء فی العاشرۃ الناس) علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ہم لوگوں کو ذمیوں کے مال میں سے مال فئ میں مرغی اور بکری ملی ہم نے کہا کہ اس کے استعمال میں (تقسیم سے پہلے اور امیر کی اجازت کے بغیر) کوئی حرج نہیں ہے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہی بات اہل کتاب نے بھی کہی تھی کہ ''**لیس علینا فی الأمیین سبیل**'' (الجامع لأحکام القرآن ۴/ ۷۶) (..................)، سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۷۵ میں اس حقیقت کو بیان کر دیا گیا ہے: ''**ومن أهل الكتاب من ا ن تأمنه بقنطار يؤده ا ليک ومنهم من ا ن تأمنه بدينار لا يؤده ا ليک ا لا ما دمت عليه قائماً ذلک بأنهم**

قالوا ليس علينا فى الأميين سبيل ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون"(اور اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس پر اعتماد پر مال ودولت کا ایک ڈھیر بھی دیدوتو وہ تمہارا مال تمہیں ادا کردے گا اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار کے معاملہ میں بھی اس پر بھروسہ کرو تو وہ ادا نہ کرے گا الا یہ کہ تم اس کے اوپر سوار ہوجاؤ تم ان سے اخلاقی حالت کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں (غیر یہودیوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور یہ بات وہ محض جھوٹ اور گھڑ کر اللہ کی طرف جان بوجھ کر منسوب کرتے ہیں)۔ گویا کسی چیز کو دیگر لوگوں کے علاوہ لوگوں کی کسی خاص جماعت کے لئے حلال کرنا خدا تعالی کی طرف غلط بات منسوب کرنا ہے پھر اس آیت کے معاً بعد اگلی آیت کے اندر عہد و پیمان اور امانتوں کی حفاظت و پاسداری کی ترغیب دی گئی ہے ساتھ ہی خشیت الٰہی پر بھی زور دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: "**بلی من أوفى بعهده واتقى فا ن الله يحب المتقين**(آل عمران: ۷۶) (آخر کیوں ان سے باز پرس نہ ہوگی جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا)۔ یہ ان کے استدلال کا عمومی پہلو تھا پیش کئے گئے تفصیلی دلائل کے سند و متن پر ہم آئندہ سطروں میں بحث کررہے ہیں جو مندرجہ ذیل ہے:

پہلی دلیل:

شراب اور خنزیر کا گوشت فروخت کرنے والے کی دکانوں پر کام کرنے کے جواز کے سلسلے میں استاذ شیخ علی جمعہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو کہ آپ ﷺ سے مرسلاً ومکحولاً مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دارالحرب کے اندر مسلمانوں اور حربیوں کے درمیان کوئی ربا نہیں ہے' (سودی لین دین ناجائز نہیں ہے)، چونکہ شیخ فطرتاً ایک دقیق النظر اور امانت دار شخص ہیں چنانچہ انہوں نے ابن قدامہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان رواۃ نے ارسال کیا ہے اور اس حدیث کی صحت معروف نہیں ہے (مغنی ۴/ ۴۷)۔

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ضعف اور متن میں اضطراب ہے جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

الف- امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہ تو پایۂ ثبوت کو پہنچتی اور نہ ہی اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے (دیکھئے: معرفۃ السنن والآثار للبیہقی باب بیع الدرہم بالدرہمین فی أرض الحرب)۔

ب- امام سرخسی نے مبسوط کے اندر لکھا ہے: ''اور یہ حدیث مرسل مکحول اور ثقہ ہے اور اس طرح کا ارسال مقبول ہے۔

ج- حافظ ابن حجر درایہ کے اندر لکھتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث نہیں ملی (۴/ ۱۵۸)، زیلعی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

د- امام نووی نے مجموع کے اندر لکھا ہے کہ یہ حدیث مرسل اور ضعیف ہے اس لئے لائق استدلال نہیں ہے متن کے ناحیے سے:

الف- اس روایت کے متن کے اندر اضطراب ہے ''**لا ربا بین المسلم وأهل الحرب فی دار الحرب**'' (دار الحرب کے اندر مسلمان اور حربی کے درمیان سودی لین دین میں کوئی حرج نہیں ہے) اور ''لا ربا بین أہل الإسلام'' (دار الحرب کے اندر مسلمانوں کے درمیان سودی لین دین میں کوئی حرج نہیں ہے) دونوں طرح کی باتیں کہی گئی ہیں اور ایک روایت میں بین المسلمین کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔

ب- ابن قدامہک نے مغنی کے اندر اور امام نووی نے مجموع کے اندر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح تسلیم کرلی جائے تو اس کا مفہوم مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ سودی لین دین کی ممانعت بھی ہوسکتا ہے، یہ ایک قابل قبول تشریح ہے کیونکہ اس کی نظیر قرآنی آیت سے پیش کی گئی ہے: ''**فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج**'' (حج کے دوران

میں اس سے کوئی شہوانی نعل کوئی بدعملی کوئی لڑائی جھگڑا کی بات سرزد نہ ہو) (بقرہ: ۱۹۷)۔

ج- امام نووی نے مجموع ۹/ ۲۹۲ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف اور مرسل ہے جسے حجت نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

د- ہمیں ایک بھی کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں آپ ﷺ کے زبان مبارک سے دار الحرب کا ذکر پایا جاتا ہو اس سے اس حدیث کے ضعف اور نا قابل حجت ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ہ- اگر اس مرسل ومکحول حدیث کو ہم قابل قبول تسلیم بھی کرلیں تب بھی بہتر یہی ہے کہ لفظ کا مفہوم اگر ظنی ہو تو اسے حرمت سود کی عمومی نص کی موافقت پر محمول کیا جائے جیسا کہ ابن قدامہ اور امام نووی کا موقف ہے۔

و- یہاں اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ احناف کا بھی یہی اصول ہے کہ عام حکم کو کسی ظنی دلیل کے ذریعہ خاص نہیں کیا جاسکتا (گرچہ وہ دلیل سنداً صحیح ہی کیوں نہ ہو اسی بنیاد پر آیت کریمہ "ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیه وا نه لفسق" (......................) کے عمومی حکم حضرت عائشہؓ کے حوالے سے مروی بخاری کی روایت کی بنا پر خاص نہیں کیا گیا وہ روایت یہ ہے کہ "لوگوں کی ایک جماعت نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگوں کے پاس ایسا گوشت آتا ہے جس کے بارے میں ہمیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آیا جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہے یا نہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس پر اللہ کا نام پڑھ لیا کرو اور پھر کھایا کرو" (بروایت بخاری کتاب البیوع باب من لم یر الوسواس ونحوہا من الشبہات) اس صحیح حدیث ودیگر احادیث کے باوجود احناف آیت کریمہ کے عمومی حکم کو ان احادیث کی بنا پر خاص نہیں کیا ہے تو پھر کیسے سودی لین دین کی حرمت پر دال آیت کریمہ کے عمومی مفہوم کو خاص کیا جاسکتا ہے کہ ایک ضعیف اور مرسل حدیث کی بنا پر اہل کتاب

کے ساتھ سودی لین دین کو جائز قرار دیا جائے؟

ز- استاذ محترم شیخ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب ''وکیف نتعامل مع السنۃ'' کے اندر صفحہ ۷۴ پر تحریر کیا ہے: بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے احادیث ضعیفہ کو قابل قبول نہیں سمجھا ہے حتی کہ ترغیب وترہیب، غلاموں کی آزادی اور زہد وتقوی کے باب میں بھی انہیں قابل اعتناء نہیں سمجھا ہے جن میں ابن رجب بھی ہیں جس کی وضاحت انہوں نے شرح علل کے اندر کی ہے اور یہی موقف ہے ائمہ حدیث میں سے امام مسلم وبخاری، یحیٰ ابن معین، ابن حزم ظاہری، قاضی ابن العربی، ابوشامہ شافعی کا ہے اور معاصرین میں سے شیخ احمد شاکر، شیخ محمد ناصر الدین البانی بھی اسی کے قائل ہیں، شیخ یوسف القرضاوی نے علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے ''ضعیف احادیث سے استحباب کا حکم ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک شرعی حکم ہے جو شرعی دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتا ہے الا یہ کہ منشا الٰہی کے علی الرغم کوئی حکم ثابت کیا جائے (ص/ ۹۵)۔

اگر فضائل اور نصائح کے باب میں ضعیف اور احادیث کے قبول کئے جانے میں یہ اختلاف ہے تو وہ کیسے غیر مسلموں کے ساتھ سود کے جواز کے استثنائی حکم کے لئے سود کی حرمت کے صریح نصوص کے مقابل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں؟

دوسری دلیل:

شیخ علی جمعہ نے بیان کیا ہے کہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے بنو قینقاع کو جلاوطن کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے قرضے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وقت سے پہلے رقم وضع کر کے ادا کر دو'' اور جب بنونضیر کو جلاوطن کیا تو انہوں نے بھی کہا کہ لوگوں پر ہمارے قرضے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: رقم وضع کر کے ادا کر دو یا کہا کہ جلدی ادا کر دو''، اور یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے مسلمانوں کے مابین یہ معاملہ سودی نوعیت

کا ہوتا تھا۔

یہ حدیث کے اعتبار سے:

یہ حدیث حاکم نے مستدرک کے اندر بیان کیا ہے جس کا نمبر ۲۳۲۵ ہے، بیہقی نے ۱۰۹۲۰ پر اور دار قطنی نے ۱۹۰ بیان کیا ہے یہ تمام روایات بنی نضیر کی جلاوطنی کے واقعہ کے ساتھ خاص ہیں بنوقینقاع سے متعلق روایت کے راوی واقدی ہیں، ان تمام روایات کے اندر ایک راوی راوی مسلم بن خالد الزنجی ہیں جو ضعیف ہیں جیسا کہ علامہ ذہبی نے کہا ہے بلکہ سنن دار قطنی کی ایک روایت جس کا نمبر ۱۹۳ ہے اس کے اندر مسلم بن خالد کمزور حافظہ والا اور ضعیف کہا گیا ہے ساتھ ہی اس حدیث کے اندر اضطراب بھی پایا جاتا ہے اسی وجہ سے اس حدیث سے استدلال کرنا سنداً درست نہیں ہے جس طرح مذکورہ بالا حدیث سے استدلال درست نہیں ہے۔

یہ حدیث متن کے اعتبار سے:

اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتو اسے مندرجہ ذیل مفاہیم پر محمول کیا جا سکتا ہے:

الف-سود اس وقت حرام نہیں تھا۔

ب-یہ بات ظاہر ہے کہ حدیث کے اندر مذکورہ معاملہ سود کے قبیل سے نہیں ہے کیونکہ اہل علم کے مابین اس کے سودی ہونے پر اتفاق نہیں پایا جاتا ہے، فقہی انسائیکلوپیڈیا کے اندر یہ بات مذکور ہے کہ متعینہ وقت سے پہلے قرضے سے عوض کے طور پر کچھ رقم وضع کر کے واپس لینے کو احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے جمہور فقہاء ناجائز قرار دیتے ہیں) کیونکہ وقت کے عوض میں چھوڑی گئی رقم وقت کے عوض میں لی گئی رقم کی مانند ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور یہی موقف ابراہیم نخعی اور ابوثور کا ہے، کیونکہ قرضہ دینے والے نے اپنی رقم کا بعض حصہ لے لیا اور بعض حصہ چھوڑ دیا یہ ایک طرح رقم کے بعض سے دستبردار ہونا ہے

جو کہ جائز ہے اور بالکل وہی شکل ہے جیسا کہ بیوی اپنی مہر کی رقم کے بعض حصے سے شوہر کے حق میں دستبردار ہو جاتی ہے (دیکھئے: دستبرداری سے متعلق ڈاکٹر احمد شکیب کے ڈاکٹریٹ کا مقالہ) یا پھر یہ کہ وہ قیمت کی کمی کی ایک قسم ہے جیسا کہ ڈاکٹر استاذ صلاح الصاوی شیخ علی جمعہ کے اسی فتوے کی تردید کے اندر یہ نام دیا ہے (amyaonline.com)، فاضل محترم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے فقہی اکیڈمی نے متعینہ وقت تک دین کے اندر وقت سے پہلے بعجلت ادائیگی کو خواہ وہ قرض خواہ کی مرضی سے ہو یا قرض دار کی مرضی سے شرعاً جائز قرار دیا ہے جو شرعاً ممنوع سود کے دائرے میں نہیں آتا، یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر کیسے ہمارے شیخ نے اپنے فتوے کے اندر اس دوسری رائے کے سلسلے میں اہمال سے کام لیا اور تحریر کر دیا کہ لفظ "ضع وتعجل" (وضع کر کے متعینہ وقت سے پہلے جلدی سے ادا کر دو) کا تعلق سودی لین دین سے ہی ہے کیونکہ انہوں نے لکھا ہے: "یہ بات عام طور پر معلوم ہی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان یہ معاملت سودی لین دین سے متعلق ہے جو کہ فاسد ہے اس طرح وہ غیر مسلموں کے ساتھ سودی لین دین کے سلسلے میں احناف کے جواز کے موقف کو مضبوط بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کی سند کے اندر مذکورہ سقم پایا جاتا ہے لہذا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تیسری دلیل:

شیخ علی جمعہ نے اپنے فتوے کے اندر بیان کیا ہے کہ احناف کا متدل وہ حدیث بھی ہے جو حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے کے اندر ارشاد فرمایا: زمانہ جاہلیت کے سودی معاملت کا سودی نفع ساقط کیا جائے اور سب سے پہلے حضرت عباس بن عبد المطلب کا سودی نفع ساقط کیا جاتا ہے، شیخ کے نزدیک وجہ استدلال یہ ہے کہ حضرت عباسؓ جنگ بدر کے موقع سے قید کئے جانے کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور انہیں

اللہ کے رسول ﷺ نے سودی لین دین سے روکا نہیں تھا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حربیوں کے ساتھ سودی معاملت کی جاسکتی ہے کیونکہ (اس زمانہ میں) اہل مکہ آپ ﷺ سے برسر پیکار تھے۔

یہ حدیث سند کے اعتبار سے

یہ حدیث سنداً صحیح ہے جس کو کہ امام مسلم نے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت کا سودی نفع ساقط کیا جاتا ہے اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کے جملہ سودی منافع کو ساقط کرتا ہوں۔

یہ حدیث متن کے اعتبار سے:

اس حدیث کے متن سے حربی کے ساتھ سودی معاملت کا جواز ثابت نہیں ہوتا صحیح بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر نزیہ حماد اس دلیل اور دیگر دلائل کو اپنی کتاب احکام التعامل بالرباء بین المسلمین وغیر المسلمین' کے اندر غلط ٹھہرایا ہے (ص ر ۲۸- ۳۱)۔

ان کے اہم تردیدی پہلو مندرجہ ذیل ہیں:

الف- سود قطعی طور پر حرام اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد ہوا ہے: "یا ایھا **الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقى من الربو ا ٳن كنتم مؤمنين فا ٳن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله وا ٳن كنتم فلكم رؤوس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمو ن**" (بقرہ: ۲۷۹) (اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے اب بھی توجہ کر لو تو تم اپنے سرمایہ لینے

کے حقدار ہو نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے)، اور یہ آیت کریمہ سنہ ۹ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔

ب- احناف کے لئے دار الحرب کے اندر سود لینے کے جواز کی کوئی دلیل اس حدیث کے اندر موجود نہیں ہے کیونکہ مکہ سنہ ۸ ہجری میں فتح ہونے کے بعد دار الحرب نہیں تھا جب کہ حجۃ الوداع کا خطبہ سنہ ۹ ہجری کے آخر میں دیا گیا ہے۔

ج- درحقیقت قبول اسلام کے بعد حضرت عباسؓ سے سودی معاملت ثابت ہی نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے آپ ﷺ نے اپنے چچا کی جانب سے سودی نفع کے چھوڑے جانے کا اعلان اس لئے کیا ہوتا کہ بہتر طریقہ پر اس حکم کی پیروی کی جائے۔

د- اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ حضرت عباسؓ کو سود کی حرمت کا علم تھا اور اسلام لانے کے بعد بھی سودی لین دین انہوں نے کیا تو ممکن ہے کہ انہیں اس کی خاص اجازت ہوتا کہ وہ اپنا اسلام مخفی رکھیں اور سود لینا یہ شرک کی ادنی درجے کی علامت ہے تا کہ ان کا مسلمان ہونا ظاہر نہ ہو سکے۔

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ احناف کے استدلال کے اندر شدید قسم کا ضعف ہے جو ایسے احتمالات کے گھیرے میں ہے جس نے انہیں بے وقعت بنا دیا ہے اور اسی بنیاد پر شیخ علی جمعہ کے فتوی پر انتہائی درجے کی ردوقدح کی گئی ہے۔

شیخ علی جمعہ نے احناف کے حوالے سے دو اور دلیلیں پیش کی ہیں، ایک یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو مشرکین سے بازی کے اندر جوئے کی رقم لینے کی اجازت دیدی اور خود آپ ﷺ نے یہی رکانہ کے ساتھ روا رکھا اور اس کی بکریاں لے لیں صحیح بات تو یہ ہے کہ شیخ صلاح الصاوی نے شیخ علی جمعہ کے فتوے کی تردید کا حق ادا کر دیا ہے لیکن میں یہاں دو احتمالات کا ذکر کرنا چاہوں گا:

الف- بہت ممکن ہے کہ سود کی حرمت سے پہلے کے واقعات ہوں بطور خاص حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ مکہ کے اندر ہجرت سے پہلے کا ہے۔

ب- اس سلسلہ میں دوسری روایات بھی ہیں جو السیر الکبیر اور تفسیر ابن کثیر کے اندر (باب ما یکرہ ادخالہ الی دار الحرب) میں مذکور ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مشرکین سے بازی میں جیتے گئے مال کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اور خود حضرت رکانہؓ کی بکریاں لوٹا دیں اور اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اگر یہ درست ہوتا تو آپ اسے صدقے کے طور پر لوٹاتے نہیں اور نہ ہی صدقہ کرنے کا حکم فرماتے۔

بہر حال شیخ علی جمعہ کے یہ تمام دلائل صریح نصوص کے سامنے نہیں ٹک سکتے جو شراب اور محرمات کی حرمت سے متعلق وارد ہوئے ہیں ان نصوص میں وہ متفق علیہ روایت بھی ہے جسے حضرت جابر بن عبداللہ کے حوالے سے شیخین نے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی فروخت کو حرام کر دیا ہے'' (متفق علیہ ہونا صحت حدیث کا اعلیٰ درجہ ہے جس کے برعکس کوئی ثابت کرنے کے لئے اسی درجہ کی صحیح احادیث درکا ہوں گی، جیسا کہ اصول فقہ میں تقابل کے اندر ترجیح کا عام اصول ہے اور اگر صحت کے اعتبار سے دو مساوی نصوص کے اندر تعارض پایا جائے تو بہتر یہ ہے کہ دونوں کے درمیان جمع وتطبیق کی شکل اختیار کی جائے، ہم نے جو مذکورہ بالا احتمالات ذکر کئے ہیں وہ اگر صحیح اور مرسل کے درمیان جمع وتطبیق ہو سکتی ہے تو ان کے اندر جمع وتطبیق کی جانی چاہئے (نہ یہ کہ نصوص صریحہ کو ہی ترک کر دیا جائے)۔

۴- فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر علی جمعہ کی خدمت میں ایک آرزومندانہ گذارش

میں خدائے بزرگ وبرتر کا واسطہ دے کر جس نے آپ کو اس علمی قدر ومنزلت سے سرفراز کیا ہے اور آپ کو وہ کچھ بتایا جسے آپ بے بہرہ تھے، آپ سے آرزومندانہ گذارش کرتا ہوں کہ اس سنگین نوعیت فتوے نظر ثانی کریں اس کے سیاق وسباق پر ایک بار پھر نظر ڈالیں تا کہ

مسئلہ کا صحیح رخ آپ کے سامنے اس کے اور اس حدیث کو مدنظر رکھیں کہ وہ اگر تمہاری قوم کے لوگ نئے نئے مسلمان نہ ہوتے ہوئے.....'' اور اس نظر ثانی کے اندر مشرق ومغرب کے علماء کے درمیان موافقت وقربت کے مقصد کو ملحوظ خاطر رکھیں ہماری آپ سے مندرجہ ذیل گذارشات ہیں:

۱- امریکہ، یورپ، ہندوستان، جاپان اور آسٹریلیا سے آپ کی خدمت پہنچنے والے سوالات کے سلسلے میں آپ ان ملکوں کے کونسل برائے فتوی وتحقیقات صلاح ومشورہ اور ہم آہنگی پیدا کرلیں ہم ان ممالک کے اندر آئے دن ہونے والے آپ کے دورے سے واقف ہیں لیکن اس کثرت باوجود یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ ''اہل مکہ ہی اس کی گھاٹیوں کے شناور ہیں''۔

۲- یہ ممکن ہے ہم کسی فرد کو مجبوراً محرمات کی دکان میں کام کرنے کی اجازت دیدیں تا آنکہ اسے کوئی دوسرا کام مل جائے لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمیں مسلمانوں کو اس بات پر بھی ابھارنا چاہئے کہ وہ اس سلسلے میں باہمی معاونت پیش کریں تاکہ مغرب کے مسلمانوں کے رگ وپے میں شراب، سود، جوا اور خنزیر کی فروخت کا خون جاری وساری نہ رہے بیشتر لوگ جوان محرمات کی تجارت کرتے ہیں وہ عموماً بے نمازی ہوتے ہیں اور اکثر ان کی اولاد فسق وفجور میں مبتلا ہوتی ہے اللہ کا خاص کرم ان پر یہ ہے کہ بعض مغربی مسلمان ایسے فتاوے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو انہیں مسلسل اپنی دکانیں کھولنے پر ابھارے جو محرمات سے پاک ہوں اور الحمد للہ ایسے لوگوں کی ایک تعداد موجود ہے جو یورپ اور امریکہ کے اندر بھی حلال چیزوں کی ہی فروخت کرتے ہیں اور انہیں خوب کمائی اور منفعت حاصل ہوتی ہے۔

ان میں کے بعض سے میں واقف ہوں جو اور آپ کی جانب سے ہمت افزائی کے چند جملوں سے تاجر حضرات کی اس بات پر ہمت وجرأت بڑھے گی کہ وہ سودی نظام پہیے کی شہتیر نہ بنے رہیں لین دین، بیع وشراء کے اندر نص شرعی سے ثابت محرمات کی تجارت سے اپنی زندگی

پاک رکھنے کا سب سے زیادہ جذبہ ان کے اندر پیدا ہوجائے حتی کہ وہ اس انگور کی فروخت سے بھی بچیں جس کے بارے میں فروخت کرنے والے یقینی طور پر معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائے گا اور قدیم وجدید اہل کے درمیان اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں سنا گیا ہے۔

۳- یورپ وامریکہ وغیرہ کے اندر جرائم کی جملہ تحقیقات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قتل وتشدد نشہ کی حالت میں ڈرائیوری اور زنا کاری کی وجوہات میں سب سے بڑا تناسب نشہ کا ہے مغرب کے اندر مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ شراب کے استعمال کو کم سے کم کرنے پھر ممنوع قرار دینے میں مؤثر کردار ادا کریں جیسا کہ اس سلسلے قانون نافذ کیا جاچکا ہے لیکن شراب کے تاجروں اور عادی حضرات دونوں کے دباؤ کی وجہ سے شراب نوشی کی اجازت دی گئی ہے۔

۴- اس فتوے کا اثر ان ہزاروں چھوٹے بڑے دوکانداروں پر پڑے گا جن کے سلسلے میں ہم کوشاں ہیں کہ وہ اپنی دنیا وآخرت اور بچوں کی خاطر محرمات کی فروخت سے چھٹکارا حاصل کریں آپ کے اس طرح کے فتوے سے انہیں اپنی حالت پر جوں کا توں برقرار رہنے کا بہت بڑا ذریعہ فراہم ہوجائے گا اس مفروضے پر تکیہ کرتے ہوئے کہ یہ اہل علم کا معاملہ ہے انہیں پر چھوڑ دو اور چین کا سانس لو۔

۵- اس فتوے میں غیر مسلم حضرات پر انتہائی سنگین نوعیت کا اثر مرتب ہوگا جو فتوے کے اندر یہ دیکھیں گے کہ ان کے ملک کو دارالحرب قرار دیا گیا ہے اس سے ایک ایسے وقت میں دوریاں اور کشیدگیاں بڑھیں گی جب کہ ہم غیر مسلم قوموں سے دوری کم کرنے میں لگے ہوئے ہیں تاکہ وہ اسلام کی صدائے حق بازگشت پر کان دھریں، اسی طرح بعض پر جوش نوجوانوں کے لئے بسا اوقات یہ فتوی ان کے اسی معاشرے کے خلاف جرائم کے ارتکاب کا سبب بنے گا جس میں کہ وہ قیام پذیر ہیں وہ لوٹ پاٹ اور زنا کے مرتکب ہوں گے (کیونکہ زنا سود اور شراب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے)، ساتھ ہی تشدد میں کس قدر اضافہ ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے

اس سے آج ہر کس وناکس دوچار ہے۔

٦- مذکورہ بالا ملحوظات کے پیش نظر بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے اس فتوے پر نظر ثانی کریں یا آپ اس کی ویسی ہی وضاحت کریں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے قاضی حضرت ابوموسی اشعریؓ نے وصیت کی تھی ''ہم نے اگر آج کوئی فیصلہ کیا ہے پھر راست موقف اس کے علاوہ میں نظر آئے تو تم میرے فیصلے کی وجہ سے رک مت جانا بلکہ میرے فیصلے پر نظر ثانی کرنا کیونکہ حق ایک ازلی شئ ہے اور اس پر نظر ثانی پرانی روش پر گامزن رہنے سے بہتر ہے...............، اعلام الموقعین، ابن القیم الجوزیہ اور اخیر میں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ میرے اور آپ کے بہت سے دیگر لوگوں کے دل میں آپ کی جو قدر ومنزلت ہے خدا اس کا گواہ ہے میں نے یہ سطریں مخالفت میں نہیں بلکہ معاونت اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت لکھا ہے میری آرزو ہے کہ خدا تعالی ہم سب کو ہدایت سے نوازے اور اپنی بہترین پیروی کی توفیق نصیب فرمائے خدا تعالی ہی بزرگ وبرتر اور جاننے والا ہے۔

آپ کا بھائی

ڈاکٹر صلاح سلطان

ڈائریکٹر امریکن اسلامک ریسرچ سینٹر

رکن فقہی کونسل امریکہ یورپ ہندوستان

۳رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ

۲رفروری ۲۰۰۶ء

مسلمان عورت کی اہل کتاب کی شادی

استفتاء کی عبارت

استاذ محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے ایک دوست جرمنی سے آئے ہیں وہ مسلمان عورت کی ایک جرمن مسیحی مرد سے شادی کے صحیح ہونے کے سلسلے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہتا ہے وہ مسلمان ہو چکا ہے کیونکہ اس نے مسلمان لڑکی سے کہا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہ بات بھی علم میں رہے کہ لڑکی میڈیکل کالج کی طالبہ ہے جب کہ لڑکا آزادانہ طور پر کام کرتا ہے میں نے اس لڑکی کو بتایا کہ اس کے لئے ایسا کرنا مطلق ناجائز ہے وہ لڑکا باوجودیکہ اس نے اس کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھا ہے، اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کا مقصد محض اپنی ضرورت پوری کرنا اور اس کے جذبات سے کھلواڑ کرنا وغیرہ ہے لیکن لڑکی یورپی ماحول سے متاثر معلوم ہوتی ہے یا یہ کہ وہ کسی مسلمان سے شادی نہیں کرنا چاہتی ساتھ ہی وہ اپنے ہونے والے شوہر کے غیر مسلم ہونے کو معیوب بھی نہیں سمجھتی وہ اس شخص میں دلچسپی لے رہی ہے باوجودیکہ اسے معلوم ہے اس کی اس شادی سے اس کے اہل خانہ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جو کہ ایک مشہور ومعروف خانوادہ ہے، خانوادے کے جملہ افراد اس شادی سے دینی ومعاشرتی طور پر متفق نہیں ہیں ہم کیسے اسے اس عمل سے باز رکھیں اور کون سی وہ قرآنی آیات ہیں جس میں اس طرح کی شادیوں کو ناجائز قرار دیا گیا ہے جواب سے نوازیں خدا آپ کو ہدایت سے نوازے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وآلہ وصحبہ ومن والاہ بعدہ۔

اس سوال کے جواب میں ہونے والی تاخیر پر میں آپ سے معذرت چاہوں گا کیونکہ میں سفر پر تھا، مندرجہ ذیل میں جواب پیش خدمت ہے:

۱- کوئی انسان اگر کلمۂ شہادت بظاہر زبان سے ہی ادا کرے تو بھی اس کا اسلام قابل قبول ہوگا ہم لوگ تو ظاہر کو ہی رکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں دلوں کا حال تو خدا کو معلوم ہے۔

۲- ہم کسی کو زور زبردستی کر کے اس کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتے کیونکہ ہم مسلم اقلیت ہیں ہماری کوئی اسلامی حکومت یہاں (مغرب میں) قائم نہیں ہے بلکہ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ہم داعی ہیں قاضی نہیں ہیں۔

۳- اس بیٹی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اولیاء سے صلاح ومشورہ کرے اور اگر وہ سختی سے کام نہ لے رہے ہوں اور اگر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ اس کے شوہر کا اسلام دکھاوا ہے تو عقد نکاح فسخ ہو جائے گا۔

۴- بیٹی کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کے لئے اس کی تربیت دعوتی اور بہتر ناصحانہ انداز پر کی جائے تاکہ وہ کسی ایسے شخص سے اپنی شادی کے سلسلے میں کسی فیصلے تک پہنچنے میں ذرا توقف سے کام لے جس کے ظاہر و باطن میں فرق ہونے کا امکان ہے، واللہ اعلم۔

جہاں تک محض زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرنے کی بات ہے تو وہ جمہور علماء وفقہاء کا مشہور موقف ہے کہ کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لئے زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرنا کافی ہے کسی توثیق یا عرصۂ دراز گذرنے کا انتظار ضروری نہیں ہے جیسا کہ امام مسلمؒ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید کو جنگ کے اندر ایک شخص کو قتل کرنے پر ڈانٹ لگائی جو موت کی تلوار سر پر دیکھ کر کلمۂ شہادت کا اقرار کرنے لگا تھا، حضرت اسامہؓ نے اسے قتل کر دیا اور کہا کہ اس نے کلمۂ شہادت کا اقرار تلوار کی ڈر سے کیا ہے اس پر اللہ کے رسول ﷺ انتہائی غضبناک ہو گئے اور فرمایا کیا تم نے اس کا سینہ چیر کر دیکھا تھا۔

اگرچہ مسیحی جرمن کلمۂ شہادت کے اپنے اقرار میں مخلص نہ ہو لیکن یہ ہمارے بھائیوں کے لئے ایک بہترین موقع ہے کہ وہ اس کے سامنے اسلام کے صاف ستھرے عقیدے مہذبانہ

اخلاق اور پاکیزہ شریعت کے حقائق کو بیان کرنے کی اپنی ذمہ داری ادا کریں ممکن ہے کہ اس کا دخول اسلام جواب تک اللہ کے لئے نہیں ہے اس کے بعد اللہ ہی کے لئے ہو جائے، حضرت حمزہؓ نے ابوجہل سے کہا تھا میں اس کے دین پر ہوں کیا اس کے باوجود تم اسے مارو گے؟ حالانکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے اس سلسلے میں سوچا سمجھا اور پھر اس کے بعد شیر خدا اور سیدالشہداء بن گئے۔

مجھے نہیں معلوم کہ کیسے مستفتی نے یہ بات کہی ہے کہ یہ شادی مطلقاً جائز نہیں ہے اور یہ کہ اس کا کلمۂ شہادت کے اقرار کرنے کا مقصد اس لڑکی کے جذبات سے کھلواڑ کرنا اور اپنی ضرورت پوری کرنا ہے کا کوئی صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ باتیں مقصد نکاح میں شامل ہوتی ہی ہیں ہمیں اس شخص کے دل حال کا معلوم ہے اور نہ ہی اس کے مستقبل کے ارادے سے ہم واقف ہیں البتہ مغربی معاشرے کی صورت حال اس کے برعکس ہے کیونکہ وہاں معاشرے میں ہر ایک کو آزادی حاصل ہے کہ اسے کوئی دوسری لڑکی مل جائے اور وہ جہاں چاہے منہ مارتا پھرے آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں آثار وقرائن سے بھی اگر آپ کی یہ بات صحیح ثابت ہوتی ہے تو آپ لڑکی کو نرمی کے ساتھ سمجھائیں کیونکہ بخاری ومسلم کی صحیح روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دین خیر خواہی کا نام ہے''۔ ہم نے ایسی صورت حال دیکھی ہے کہ جب والدین اور اہل خانہ اپنی بچیوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں تو وہ گھر چھوڑ دیتی ہیں اور غیر مسلموں سے یا مذہب کی پرواہ کئے بغیر شادیاں رچا لیتی ہیں بلکہ بعض تو مرتد ہو گئیں، میں سمجھتا ہوں کہ بیٹیوں کے تئیں ایک حد تک خود اہل خانہ بھی ذمہ دار ہوتے ہیں جنہوں نے ان کی اچھی تربیت نہیں کی ہوتی ہے اس کے اعزہ واقرباء اسے اچھی راہ نہیں دکھاتے جس کے سلسلے میں حضرت عمر بن الخطاب کا قول ہے: ''لوگوں پر خدا کے غضب کو دعوت مت دو''۔

اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس ہونے والے شوہر کا اسلام لانا محض ایک دکھاوا

ہے تو عقد نکاح فسخ ہو جائے گا بایں طور کہ ازدواجی تعلقات بالکلیہ منقطع ہو جائیں گے شوہر سے کسی طلاق کی کوئی صراحت نہ ہوگی نہ ہی بیوی کی خلع کرنے یا دو حکم یا قاضی کے ذریعہ طلاق دیئے جانے کی ضرورت ہوگی اسی طرح لڑکی کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ سے مشورہ کرے اور ان کی نصیحتوں کو جن کو کہ وہ دلائل کی روشنی میں صحیح سمجھتی ہو قبول کرے اور ترمذی شریف کی اس روایت کو مدنظر رکھے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔

یہی فتوی ہے جملہ اہل علم مگر امام ابوحنیفہ کی رائے اس سے مختلف ہے اور وہی مفتی بہ قول ہے اگر آپ کے اولیاء زور زبردستی سے کام نہ لے رہے ہوں تو آپ دینی مراکز کے اندر کسی امام سے رابطہ کریں اور یہاں بنیادی بات یہی ہے کہ قرآن وسنت کے نصوص سے مسلمان عورت کا کسی ایسے غیر مسلم سے شادی کرنا جو اپنے کفر پر باقی ہو قطعی طور پر حرام ہے ارشاد باری تعالی:

"ولاتنکحواالمشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو أعجبکم أولئک یدعون الی النار واللہ یدعوا الی الجنة والمغفرة (البقرة: ۲۲۱)" (اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا، جب تک وہ ایمان نہ لائیں ایک مومن غلام مشرک شریف سے بہتر ہے اگرچہ وہ نہیں پسند ہو یہ لوگ تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے)۔

ہم خدا سے دعا گو ہیں کہ خدا تعالی ہماری اس بہن کو دل میں صحیح بات ڈال دے اور اس کے شوہر کے دل کو اسلام کے لئے کھول دے اور پورے خاندان اور ان کی بچی کو دنیا و آخرت فلاح و بہبودی نصیب فرمائے۔

شرعی حدود کی تعزیرات کو موقوف کئے جانے کی طارق رمضان کی اپیل پر اہل علم کی ایک جماعت کی آراء

ہمام عبدالمعبود: اسلام آن لائن نیٹ ۳۰/۳/ ۲۰۰۵ء

میں نے اسلام آن لائن نیٹ پر مفکر طارق رمضان کی شرعی حدود کے موقوف کئے جانے کی اپیل کی تردید پر مشتمل علماء وفقہاء کی پیش کردہ آراء دیکھی جس کے اندر موجودہ نازک دور میں اس طرح کے مسائل کو سامنے لانے کے پیش نظر افادیت سے متعلق سوال اٹھایا گیا ہے اور یہ کہ اس طرح کے مسائل دنیا کے سامنے پیش کرنے سے اسلام کا کیا فائدہ ہونے والا ہے اہل علم کی اس جماعت کا خیال ہے کہ اس طرح مسائل کھڑا کرنے سے نقصان کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں ہونے والا ہے۔

اہل علم کی آراء مندرجہ ذیل ہیں:

اسلامی مفکر اور مشیر طارق البشری جو مصری پارلیمنٹ کے سابق نائب صدر بھی رہ چکے ہیں انہوں نے اس اپیل پر اپنے موقف کی یوں وضاحت کی ہے وہ اس مضمون کے اندر کی جانے والی اپیل کا فقہی اصول سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی وہ قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح کی بنیادوں پر قائم ہے اس اپیل کی بنیاد موجودہ عملی صورتحال کی وہ قدریں ہیں جن سے صاحب مضمون حالات اور ذرائع ابلاغ نیز تہذیبی صورتحال سے نبرد آزمائی میں دوچار ہوئے اور جن کا مغرب میں دور دورہ ہے۔

مفکر طارق البشری کا مزید کہنا ہے کہ اگر ہم اس نظریے کے پابند ہیں کہ مغرب میں قیام کرنے والے اور اسے نیا وطن بنانے والے ہی وہاں کے ماحول اور اپنی دنیوی زندگی بہتر طور پر واقف ہوں گے کیونکہ وہ وہاں رہتے ہیں ہم یہ نہیں چاہتے ہیں کہ انہیں ان سیاسی اور تاریخی مسائل میں الجھایا جائے جو ہم اہل مشرق اور اسلامی ممالک کے ساتھ خاص ہیں مغرب کے ساتھ

ہمارے تعلقات سیاسی اور تاریخی نوعیت کے ہیں جس کے اندر بہت سے الجھاؤ اور پیچیدگیاں ہیں جن کا بوجھ ہم ان پر نہیں ڈالنا چاہتے ہماری خواہش تو یہ ہے کہ مغربی ممالک کے اندر وہ اپنی اسلامی زندگی کو جس طریقے سے مناسب سمجھیں زندہ رکھیں؛ اس صورت میں ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم ان کوششوں سے اپنی آنکھیں موند لیں جو بعض لوگوں کی جانب سے مغرب کے اندر اپنے احساس کمتری کو ہمارے سامنے کمتری کے اپنے اس موقف کو پیش کرنے کا وسیلہ بنانے کی خاطر کی جارہی ہیں کہ ہم اپنے ملکوں میں اسے محسوس کریں نیز اپنے دین وعقیدے کی صورت حال پر اسے منڈھ دیں جسے ہم نے اپنے سینے سے لگائے رکھا ہے اور لگائے رکھنا چاہتے ہیں اور انشاءاللہ موجودہ دور کی مشکلات نیز دیگر قوموں سے خراب ہوتے ہوئے تعلقات کی صورت حال سے نمٹنے میں ہمارا دین وعقیدہ معاون ثابت ہوگا جسے مغرب وامریکہ کی بطور خاص مسلمانوں کے ساتھ دشمنی نے بڑھاوا دیا ہے۔ طارق البشری کا یہ بھی کہنا ہے کہ اپنے اس مضمون کے اندر طارق رمضان نے مسلمانوں سے ایک ایسے موقف کو اختیار کرنے کا مطالبہ کیا ہے جس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ مسلمان اپنے تئیں لوگوں کے احساسات میں تبدیلی آنے تک قرآن وسنت پر عمل کرنا موقوف کردیں۔ جبکہ سارے مسلمان مل کر قرآن وسنت کا ایک بھی حکم موقوف نہیں کرسکتے اور نہ ہی اس نوعیت کا کوئی فیصلہ کرسکتے ہیں چنانچہ یہ ایک ایسی اپیل ہے جس کے سلسلے میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کے لئے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور جس بے حیثیتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہم بحیثیت مسلمان کے اپنے دینی اقدار واحکام اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے باہمی پرجوش تعلقات سے واقف ہیں ہمارے باہمی اور دوسروں سے تعلقات کا پرجوش انداز اسی دین متین کا رہین منت ہے عدل وانصاف اور محبت کی قدریں اسی کی فیض یافتہ ہیں اس سلسلہ میں ہم مغرب کی پینترے بازیوں کی بلیک میلنگ

کے آگے جھکنے والے نہیں جس کا مقصد ہمیں عقیدے کی پابندی سے روکنا ہے، حدود کو موقوف کرنے کا مطالبہ کر کے جسے جھکنا ہو وہ جھکے۔

مشیر طارق البشری کہتے ہیں کہ میرے اعتراض کا تعلق حدود سے نہیں ہے کیونکہ اس موضوع پر مسلمانوں میں سے بہت سے اہل علم نے لکھا اور اس کے ضابطہ وشرائط پر بحث کی ہے حدود اسلامی فقہ کی ایک محدود قسم ہیں ہمیں اسلامی شریعت کے احکامات اور اس کے شرائط واصول کا بھی ادراک ہے جس کی تطبیق فقہاء اور قاضیان شرع نے عدل ومساوات اور محبت کی پاسداری نیز اس زمانے کے عام انسانی موقف کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کی ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ کوئی انسان علی الاعلان کہنے لگے کہ اس عمل کو ترک کر دیا جائے جس کا حکم قرآن کریم میں آیا ہے کیونکہ اسے اس کی وجہ سے موجودہ حالات میں پریشانیاں ہو رہی ہیں انہوں نے اپنے تبصرے کے اخیر میں کہا کہ یہ تو ممکن ہے کہ میرے برادر محترم نص شرعی کی تشریح میں اہل علم کے مابین معتبر اور معتمد تشریحی نہج اور اسلوب کے مطابق اپنی رائے پیش کریں جس سے جان ومال، عقل ونسل اور دین کی حفاظت کے شرعی مقاصد پورے ہوتے ہوں جو ہرگز بعض شرعی احکام کے موقوف کرنے کے اعلان سے حاصل نہیں ہو سکتے جن کے ہم پابند ہیں جب تک ہم دائرۂ اسلام کے اندر ہیں اسلامی شریعت کے کسی حکم کو کالعدم قرار نہیں دے سکتے۔

-توقف ضروری ہے-

ڈاکٹر صلاح سلطان جو کہ شمالی امریکہ کے فقہی کونسل اور یوروپین کونسل برائے افتاء وتحقیق نیز اتحاد برائے علماء امت کے رکن ہیں انہوں نے اپنی جانب سے اسلامی مفکر طارق رمضان کو اس بات کی دعوت دی ہے کہ ہو اپنے اس موقف پر نظر ثانی کریں اور اس مسئلہ کو مستقل طور پر موضوع بحث بنانے سے گریز کریں ان کا خیال ہے کہ اس مسئلہ کو موضوع بحث بنانے سے ایک ایسے مسئلہ پر اختلاف ونزاع میں اضافہ ہوگا جو موجودہ دور کے اندر امت کے بنیادی مسائل

میں سے نہیں ہے مزید برآں یہ کہ اس مسئلہ کو موضوع بحث بنانے کے نتیجہ میں سیکولر افراد اور وہ عناصر جو اسلام اور مسلمانوں سے پرخاش رکھتے ہیں وہ اس مسئلہ کو بعض مسلمانوں کے سامنے غلط پیرایے میں پیش کر کے مذہب اسلام سے ہی برسرپیکار ہو جائیں گے، اس خدشے کا اظہار اسلامی مفکر فقی ہویدی نے بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر سلطان کہتے ہیں کہ میں طارق رمضان کے اس موقف سے متفق ہوں کہ حدود کو عملی شکل دینے میں کسی بھی ملک کے اندر ناداروں پر ظلم کیا جاسکتا ہے بایں طور ناداروں پر تو حکم نافذ کر دیا جائے جب کہ مالداروں اور ظالم حکام کو چھوڑ دیا جائے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ وضاحت بھی کر ڈالتے ہیں کہ عراق، فلسطین، افغانستان، چیچنیا اور کشمیر وغیرہ کے بعض مسائل کے اندر غیر واضح صورت حال کی وجہ ہم بعض مسلمانوں کی جانب سے شرعی احکام کو عملی شکل دینے میں کی جانے والی غلطیوں کو مسئلہ کو عام کرنے کا سبب اور وجہ جواز نہیں بنا سکتے۔

ڈاکٹر صلاح سلطان نے مفکر طارق رمضان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس مسئلہ پر توقف سے کام لیں نیز اسے پہلے علماء امت کے عالمی اتحاد یا یورپین کونسل برائے افتاء وتحقیق یا شمالی امریکا کے فقہی کونسل کے سامنے پیش کریں اور علماء امت سے جن سے وہ مطمئن ہوں رجوع کریں جیسے کہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، مشیر فیصل مولوی، ڈاکٹر طہ جابر العلوانی وغیرہ ہیں تاکہ اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر ان کی تحقیقی نظر ہو جائے وہ اس مسئلہ کو سوڈان، سعودی عرب، ایران اور دیگر ملکوں کے ثقہ اہل علم کے سامنے پیش کریں جن کے یہاں حدود کی بعض شقوں کا نفاذ ہوتا ہے اس لئے اس سلسلے میں انہیں زیادہ بہتر واقفیت ہوگی انہوں نے زور دے کر کہا کہ اس مسئلہ کو موضوع بحث بنانے کے نتائج وعواقب پر بحث وتمحیص کو اہمیت دی جانی چاہئے۔

بے فائدہ اپیل

ڈاکٹر احمد الراوی جو کہ یورپ میں دینی تنظیموں کے اتحاد کے صدر ہیں طارر البشری اور

ڈاکٹر صلاح سلطان کے موقف کی تائید کرتے ہیں وہ مزید کہتے ہیں کہ طارق رمضان ایک مفکر وداعی ہیں انہیں چاہئے کہ وہ مغرب کے ساتھ گفت وشنید تک ہی خود کو محدود رکھیں اس طرح کی اپیل کے لئے متعلقہ افراد موجود ہیں اتحاد علماء امت یورپین کونسل برائے افتاء وتحقیق جیسے ادارے موجود ہیں جنہیں ان امور پر بلکہ حاصل ہے، انہوں نے طارق رمضان کے اس صفائی کو مسترد کردیا کہ اس اپیل کا مقصد ان اسلام مخالف اعتراضات کو ختم کرنا ہے جن سے اسلام کی شبیہ بگڑتی ہے ڈاکٹر راوی کہتے ہیں کہ ہم کئی سالوں سے مغرب میں قیام پذیر ہیں اور سبھی شہروں کو ہم نے دیکھا ہے اسلام پر شکوک وشبہات کے حملے اور اس کی شبیہ بگاڑنے کی کوششیں ایک مدت سے چل رہی ہیں وہ ہرگز اس طرح کی کسی اپیل سے نہیں رکیں گی بلکہ بسا اوقات اس طرح کی اپیلیں اسلام پر طعن وتشنیع اور مستقل مخالفت کے لئے ایک نئی وجہ اور سبب بن جاتی ہیں۔

ڈاکٹر الراوی کا خیال ہے کہ یہ ایک نئی شوشے بازی ہے جو عورت کی مردوں کی امامت کے مسئلہ بعد سامنے آئی ہے جو امریکہ میں پیش آیا تھا اسی طریقے سے ہالینڈ کے عورتوں کے لئے خاص مسجد کا شوشہ چھوڑا گیا تھا اور اب سویسرا سے شرعی حدود کو موقوف کئے جانے کا ایک شگوفہ سامنے آیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ مسئلہ کو اس طرح سے پیش کرنا بہتر نہیں ہے اس سے اسلام اور مسلمانوں کی کوئی بھلائی نہیں ہونے والی ہے مستزاد یہ ہے کہ اس سے اسلام کے خلاف شور شرابے اور اختلافات کو ہوا ملے گی یہ اپیل اسلام کے لئے نقصان دہ غیر مفید اور باعث رسوائی ثابت ہوگی۔

احمد الراوی حیرت کے ساتھ یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر ان حدود پر کہاں عمل ہو رہا ہے؟ وہ کہاں عملی شکل میں موجود ہیں وہ خود ہی اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ شرعی حدود عملی شکل میں اصلاً کسی بھی اسلامی ملک کے اندر موجود نہیں ہیں حتی کہ سعودی عرب میں بھی نہیں جو کہ عملی طور پر شریعت پر عمل پیرا ہونے کا دعوی کرتا رہا ہے وہاں پر بھی شریعت پر عمل کے خدوخال پر

اعتراضات پائے جاتے ہیں، اس اپیل سے بلاوجہ کا فتنہ کھڑا ہوگا طارق رمضان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ معتبر فقہی اکیڈمیوں سے رجوع کریں اس کے بعد اس طرح کی اپیل نشر کریں کیونکہ یہ ایک ایسی اپیل ہے جس سے اسلام پر شکوک وشبہات اور شورشرابے کو فروغ اپنے تبصرے کے ملے گا اخیر میں احمد الراوی کہتے ہیں کہ طارق رمضان کو بحثیت ایک مفکر اور داعی کے باعظمت اور قابل احترام شخصیت سمجھتا ہوں وہ ایک لائق فائق شخص ہیں انہیں زیب نہیں دیتا کہ اسے اس طرح کی غلطیاں سرزد ہوں انہیں چاہئے کہ وہ اس طرح کے مسائل میں بلاوجہ اپنے آپ کو ملوث نہ کریں اس اپیل کے سلسلے میں سب سے ہلکا تبصرہ جو کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے فقہاء اور فقہی اکیڈمیوں کے سامنے پیش کئے جانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس پر غور وفکر کریں اس کے بعد ہی اس سلسلے میں کوئی بات کہی جائے اس کی ہمیں اس پیل کے منظر عام پر آنے اور ذرائع ابلاغ میں نشر ہونے سے پہلے ہی طارق رمضان سے امید تھی کہ وہ دوسروں سے بھی رجوع کریں گے کیونکہ ذرائع ابلاغ مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے کسی بھی ذریعہ کو گنوانا نہیں چاہتا، انہوں نے اس اپیل کو بے فائدہ اپیل کا نام دیا ہے ساتھ ہی طارق رمضان سے گذارش کی ہے کہ وہ اس اپیل سے گریز کریں کیونکہ یہ ایک غیر مفید اپیل ہے اس سے امت کی کوئی خدمت نہیں ہوگی۔

تحفظات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپیل کی تائید

امریکی صوبہ تک اس کے شہر لباک کے اسلامک سینٹر کے ڈائریکٹر محمد بن المختار الشنقطی نے ڈاکٹر طارق رمضان کی تعریف کی ہے اور ان کی توصیف کرتے ہوئے ان کی اس اپیل کو فکری شجاعت اور نہج کی جامعیت قرار دیا اور کہا کہ وہ جہاں کہیں بھی وہ ہوتے اور جاتے ہیں ہر جگہ ان کی اسلامی فکر نمایاں ہوتی ہے یہ وہ صفات ہیں جن کی آج کل نظیر ملنی مشکل ہے کبھی کبھی ان کا حساس دل مسلمانوں کی ذلت بھری زندگی ان کے ماضی کی شاندار روایات اور موجودہ بدتر

صورتحال سے پریشان ہو اٹھتا ہے......'' ساتھ ہی وہ ان کی اس خامی کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ بسااوقات دینی موضوعات سے متعلق ایسی آراء تک پہنچتے ہیں جو بنیادی طور پر کمزور ہوتی ہیں گرچہ اس کے پیچھے ان کی نیک نیتی ہی کارفرما ہوتی ہے وہ معاملت کی تہہ تک پہنچنے کے لئے جلد بازی سے کام لیتے ہیں اگرچہ اس سلسلہ میں بیدار مغزی سے کام لیا جاتا ہے۔

شنقبطی نے صراحت کے ساتھ یہ بات کہی کہ ''جہاں تک میرا خیال ہے اس طرح کی مغربی افکار پر اس لئے تنقید نہیں ہونی چاہئے کہ یہ ایک شخص کی کدوکاوش اور اس کی زبردست علمی کارکردگی کا نتیجہ ہے اور نہ اس لئے تنقید ہونی چاہئے کہ ہم ان کے جرأت مندانہ اسلوب اور جدت آفرینی کا خیر مقدم کر رہے ہیں بلکہ یہ اپیل بحیثیت مجموعی اپنے مشمولات کے اعتبار سے جرأت مندی کی بنا پر مسلمانوں کو فکری بلندی عطا کرتی ہے اور انہیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنے ماخذ پر نظر ثانی کریں اور چیلنجز کی سطح تک اپنے موقف کو بلند کریں ساتھ ہی انہوں نے بھی جرائم سے متعلق شرعی حدود کے عمل کو موقوف کرنے کی دعوت دینے والی ان کی اپیل کے اندر کچھ قابل اعتراض باتیں بھی نوٹ کی ہیں جن میں حدود میں قتل اور جملہ جسمانی سزائیں شامل ہیں۔

شنقیطی نے طارق رمضان کی فقہاء اور اہل علم مسلمانوں پر تنقید سے اتفاق کیا کہ فقہاء اور دانشور طبقہ کے بعض افراد خوف اور عوامی شور شرابے کے چکر میں آجاتے ہیں جس کا مقصد عوام اور بازاری لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانا ہوتا ہے اس طرح وہ ان بعض حساس امور میں غور وفکر سے پرہیز کرنے لگتے ہیں جن کے سلسلے میں آئے دن لوگ اسلام پر سوال اٹھاتے رہتے ہیں یا پھر وہ اپنی طرف سے مبہم جواب دیتے ہیں جس سے نہ حق کی حقانیت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی باطل غلط ٹھہرتا ہے یا پھر یہ کہ وہ اپنے ذہن میں رچے بسے موقف کی مخالف ہر رائے پر سختی کے ساتھ اعتراض کرتے ہیں اگرچہ شریعت میں اس کی کوئی مستحکم دلیل موجود ہو ان کا خیال ہے کہ اب

وقت آ گیا ہے کہ مسلمان فکری طور پر لوگوں کے شور شرابے سے آزاد ہو کر سوچیں آزادانہ سوچنے اور بے روک ٹوک کے مافی الضمیر کی ادائیگی کی لوگوں کو عام اجازت ہو۔

شنقیطی کہتے ہیں ڈاکٹر طارق رمضان نے مسلمانوں کی عزت و آبرو اور عدل و انصاف اور آزادی کو تمام دوسری چیزوں پر مقدم رکھنے پر زور دے کر ایک ایک مستحسن قدم اٹھایا ہے اگر کوئی منصفانہ سیاسی اور معاشرتی نظام قائم کئے بغیر حدود کو عملی شکل دینا چاہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی ایسے ملک کے حدود کی نقشہ سازی کرے جو سرے سے موجود ہی نہ ہو ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ آج بہت سے مسلمانوں کے ذہن میں شریعت کو عملی جامہ پہنانے کا غلط مفہوم پایا جاتا ہے چنانچہ جرائم پر مبنی ایک نظریہ قائم ہو گیا ہے جس کی وجہ سے صحیح خدوخال سامنے آنے کے بجائے اسلامی شریعت محض حدود و قیود اور سزاؤں کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہے۔

کیونکہ شرعی حدود تقریباً تمام اسلامی ممالک کے اندر معطل ہیں اور وہ اس کے موقوف کئے جانے کی اپیل کر رہے ہیں متعلقہ شرعی نصوص پہلے ہی سے جمود کا شکار ہیں جبکہ اس کے اندر وہ تاویل کی اپیل کر رہے ہیں پھر یہ کہ اس موضوع کو اس طریقے سے سامنے ان سے غیر ملکی قارئین کو یہ پیغام جائے گا کہ اسلامی ممالک ایک مسلمہ کی مانند ہیں جو کئے ہوئے ہاتھوں اور سروں پر ہے.... الخ باوجودیکہ ان حدود کی حقیقت یہ ہے کہ شاید ہی کسی نے ان کے نفاذ کے بارے میں سنا ہو ان کا خیال ہے کہ طارق رمضان نے اس طرح اپنی اس اپیل کے ذریعہ اغیار کو اسلام پر لب کشائی کی دعوت دیدی ہے جب کہ وہ انہیں مطمئن کرنا چاہتے ہیں انہوں نے عالم اسلام کی غلط اور ناقص منظر کشی کی ہے جبکہ وہ جامع اور بھرپور منظر کشی کرنا چاہتے تھے۔

انہوں نے مزید کہا کہ طارق رمضان نے حدود کو ایک عام عادلانہ نظام کی ایک شق کے بجائے ظالمانہ آئینی دفعات کی صورت میں پیش کیا ہے ساتھ ہی انہوں نے طبعی حالات میں ان حدود کے نفاذ پر اپنی کوئی رائے نہیں دی، وہ اس بات کا ذکر رہے تھے کہ بہتر ہوتا کہ ڈاکٹر

طارق رمضان اس بات کا اعتراف کرتے کہ حدود مطالبہ نظام عدل کا حصہ ہیں نہ یہ کہ وہ عادلانہ نظام کی ضد اور اس کے منافی ہیں اسی طرح یہ بات بھی مناسب ہوگی کہ وہ عالم اسلام کے سیاسی اور معاشرتی صورتحال ایک قرار نہ دیں کیونکہ ان کے مابین غایت درجے کا اختلاف اور فرق پایا جاتا ہے۔

شنقیطی کی رائے میں مغربی اقدار نے موجودہ زمانے کے اندر مسلمانوں کی فکر پر زبردست اثرات چھوڑے ہیں اس کے اثرات محض سیکولر افراد تک محدود نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کے اندر بھی سرایت کر چکے ہیں بطور خاص وہ مسلمان جو مغرب کے اندر مقیم ہیں جیسے کہ میں اور ڈاکٹر رمضان چنانچہ مختلف تہذیبوں سے سابقے نے تہذیبی صورت حال میں نظریاتی اخلاقی اور محبانہ ہم آہنگی کی روش پیدا کر دی ہے۔

اسلام کے سلسلہ میں ایک مثبت نظام زندگی کا تصور مفقود ہوگیا ہے جو بھلائی عدل وانصاف اور آزادی کا ضامن ہو اور ان امور کی حفاظت جن کی حفاظت لوگوں کو باز رکھنے والی حدود وقیود سے کیا جاتا ہے ان کے خیال میں یہ صورتحال ہماری آج کی تہذیبی انحطاط کا نتیجہ ہے۔

شنقیطی نے بعض ظالم وجابر حکام کی طرف سے شریعت کی تطبیق میں سیاسی عمل پر طارق رمضان کی مذمت کی تعریف کی ہے جو شریعت کو اپنی حکومت کے لئے استعمال کرتے ہیں نہ یہ کہ وہ شرعی تطبیق کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں ان حکام کے سلسلے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ ظالم حکام ہیں جو برائے نام خدا کی بندگی کرتے ہیں وہ شریعت کے ساتھ اپنے خواہشات اور ظلم کو فروغ دینا چاہتے ہیں عدل وانصاف آزادی اور انسان کے عزت واحترام کی دعوت کو اس کی ضد سمجھا جاتا ہے وہ طارق رمضان کے اس قول سے اتفاق کرتے ہیں کہ مغرب کی یکطرفہ طرفداری اور ہٹ دھرمی منفی موقف ہے۔

ان امور کا ذکر کرتے ہوئے جن میں ان کا ڈاکٹر طارق رمضان سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ وہ حد رجم اور دیگر حدود کے درمیان فرق کریں کیونکہ حد پر امت کا ماضی میں اجماع نہیں پایا جاتا بلکہ معتزلہ اور خوارج نے اس کا انکار کیا ہے وہ مزید کہتے ہیں اسی طرح میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ قاتل کے حد قتل اور مرتد کے حد قتل کے درمیان فرق قائم کریں جس پر اجلہ اہل علم نے سنجیدہ اعتراضات کئے ہیں انہوں نے فکری موقف کے تحت ایذا ارتداد اور سیاسی خیانت اور شرعی حکومت پر فوجی چڑھائی کے تحت ارتداد کے درمیان فرق کیا ہے۔

شنقیطی ان نکات کو جمع کرتے ہوئے جن میں ان کا طارق رمضان سے اختلاف ہے کہتے ہیں مجھے خوف ہے کہ ڈاکٹر طارق رمضان لوگوں کو اس اپیل پر متوجہ کرنے میں اس قدر منہمک نہ ہو جائیں کہ صورت حال سے ان کی واقفیت بقدر ضرورت بھی نہ ہو۔

مغرب کے اندر کتے کی نگہداشت

میں خدا تعالی سے دعا گو ہوں کہ شریعت مطہرہ پر غور فکر کے شوق پر آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ چونکہ آپ اپنی غیر مسلم والدہ کے ساتھ رہائش پذیر ہیں اس لئے ہم کتے کے سلسلے میں سہل ترین احکام کو اختیار کریں گے اور مجھے امید ہے کہ آپ اپنی والدہ کو یہ محسوس نہیں ہونے دیں گی کہ ان کے ساتھ آپ کی حسن معاملت یا کتے کی دیکھ ریکھ میں تبدیلی آ گئی ہے آپ کو یاد ہوگا کہ ایک مرد اور ایک عورت ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گئے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں مذکور ہے۔

اس مسئلہ پر شوافع اور حنابلہ کے یہاں سختی پائی جاتی ہے ان کے نزدیک کتا، خنزیر کی طرح بالکلیہ نجس العین ہے، احناف نے میانہ روی سے کام لیا ہے ان کے یہاں کتا نجس العین نہیں ہے لیکن اس کا لعاب ودہن نجس العین ہیں، مالکیہ کا مسلک سہل ہے ان کے نزدیک کتا اور اس کا لعاب ودہن نجس نہیں ہیں اس برتن یا کپڑے کو دھلنا جس کو کتے نے اپنی لعاب سے گندا

کر دیا ہو تیمّم کی طرح امر تعبدی ہے نجاست دور کرنے کے لئے نہیں ہے۔

اور مالکیہ کی اسی رائے کے مطابق میں آپ کو فتوی دوں گا لیکن ساتھ ہی میرے یہ مندرجہ ذیل مشورے بھی آپ کے لئے ہیں:

۱- آپ کتے کے بدن پر ہاتھ پھیر سکتی ہیں یا محبت میں اسے لے سکتی ہیں لیکن اس کے لعاب دہن سے بچیں۔

۲- گھر کے اندر جہاں چاہیں نماز پڑھیں خواہ وہاں کتا چلا کیوں نہ ہو ہاں اس جگہ اس نے اپنی زبان نہ لگائی ہو۔

۳- بہتر یہ ہے کہ آپ نماز کے لئے ایک دری بنالیں جس پر آپ نماز پڑھا کریں اور دروازہ بند کر لیں تا کہ کتا آپ کے پاس نہ آنے پائے اور آپ کی جائے نماز پر اس کا لعاب دہن نہ گرے۔

۴- کتے کو ہنکانے کے لئے نماز میں آپ کا بولنا مختلف فیہ ہے کہ آیا وہ نماز ہی کے قبیل سے ہے نماز کو باطل ہونے سے روکنے کے لئے ایک رائے تو یہ ہے کہ نماز باطل ہو جاتی ہے اور یہی راجح ہے بہتر یہی ہے کہ نماز دہرالیں خواہ کتنے ہی دن اور مہینے گذر گئے ہوں۔

کترینا طوفان کے متاثرین کی امداد سے متعلق فتوے

سوال: کیا مسلمانوں کے لئے شرعاً یہ جائز ہے کہ وہ عملی جدوجہد یا مال کے ذریعہ کترینا طوفان کے اندر امریکی متاثرین کو پریشانیوں سے نکالنے اور ان کی پریشانی کم کرنے کی خاطر اپنا تعاون پیش کریں؟

جواب: کترینا طوفان کے اندر امریکی متاثرین کو پریشانیوں سے نکالنے اور ان کی مشکلات کم کرنے کی خاطر مالی یا عملی جدوجہد کے ذریعہ مسلمانوں کا تعاون پیش کرنا شرعاً ایک مستحب عمل ہے جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

۱- عام طور پر شرعی نصوص کے اندر لوگوں کو زندہ رکھنے پر ضرورت مندوں کے ہاتھ بٹانے اور متاثرین کی مدد کرنے پر زور دیا گیا ہے بعض شرعی نصوص مندرجہ ذیل ہیں:

الف- ارشاد باری تعالی ہے: "**أنه من قتل نفساً بغير نفس أو فساد فى الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً**" (جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا)۔

ب- ارشاد باری تعالی ہے: "**ويطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيما وأسيراً**" (دہر: ۸) (اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)۔

ج- ''کلا بلا تکرمون الیتیم ولاتحاضون علی طعام المسکین (فجر: ۱۷) (ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے پر نہیں اکساتے)۔

د- بخاری شریف کی روایت ہے: ''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر جگر والے کی مدد کرنے میں اجر ہے''۔

یہ وہ عمومی جن کی کسی دوسرے نص سے تخصیص نہیں ہوتی چنانچہ وہ اپنے عموم پر برقرار ہیں جن سے فقراء ومساکین اور متاثرین خواہ ان کی قومیت ومذہب جو بھی ہو ان کی مدد کرنے انہیں کھانا کھلانے اور کفالت کرنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

۲- اللہ کے رسول ﷺ اسلام کے نازل ہونے سے پہلے اور بعد میں مہمان نوازی کیا کرتے تھے مسکینوں کو کھانا کھلاتے اور حوادث دہر میں لوگوں کی مدد کرتے تھے یہ وہی الفاظ ہیں جو ابن الدغنہ حضرت ابوبکرؓ سے اس وقت کہا تھا جب انہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کا ارادہ فرمایا تھا حضرت ابوبکرؓ نے جو الفاظ ذکر کئے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ حوادث دہر میں لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے حالانکہ ابن الدغنہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے جو حضرت

ابوبکرؓ سے اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے کار رہائے خیر اور جود وسخا کا دائرہ مسلمانوں کو محدود نہ تھا بلکہ عام محتاج اس سے مستفید ہوتے تھے۔

۳- امام نسائی اور حاکم وغیرہ کی حضرت ابن عباس سے مروی ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ اپنے مشرکین رشتہ داروں کو دیں انہوں نے اس سلسلے میں سوال کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: "**ليس عليك هداهم ولكن الله يهدى من يشاء**" (انہیں ہدایت دینا آپ پر نہیں ہے اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)۔

۴- ہم ہر جمعہ کو سورہ کہف کی تلاوت کرتے ہیں اس کے آخری آیات صراحت کے ساتھ یہ نص موجود ہے کہ ذوالقرنین نے یاجوج وماجوج سے مظلوموں کی مدد کی اور بغیر کسی اجرت کے دیوار تعمیر کی اور ان سے دیوار کی تعمیر سے پہلے اسلام قبول کرنے کا بھی مطالبہ نہیں کیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر مریض محتاج کی مدد ومعاونت اور علاج ضروری ہے۔ امام مسلم کی ایک روایت ہے جو منذر بن حبیب سے مروی ہے انہوں نے اپنے والد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تھے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک قوم حاضر ہوئی جو ننگی تھی اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اس پر آپ ﷺ ان کے فاقے کی حالت کو دیکھ کر غصہ ہوئے اور اس کے اثرات آپ کے چہرے پر نمایاں ہوگئے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا پھر جمع ہونے کے بعد لوگوں کو ان کی مدد پر ابھارا یہاں تک کہ ایک شخص سونے کی ایک اتنی بڑی تھیلی اٹھالایا جو اس کے ہاتھوں سے اٹھ نہیں رہا تھا۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ کا چہرہ کھل اٹھا گویا کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا ہو اس حدیث کے اندر اس بات کی صراحت موجود نہیں ہے کہ یہ لوگ مسلمان تھے یا نہیں آپ ﷺ ان پر ترس کھا کر اور شفقت کی وجہ سے خفا ہوئے نیز مسلمانوں کو ان کی مدد کرنے اور انہیں صدقہ دینے پر ابھارا جب صحابہ کرامؓ کی تعمیل حکم سے مال جمع ہوگیا تو آپ ﷺ کا چہرہ انور کھل اٹھا۔

۵-مسلم شریف کی ایک روایت ہے جو حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سفر پر تھے کہ اچانک ایک شخص اپنی سواری پر سوار آیا وہ دائیں بائیں دیکھنے لگا اسے کسی چیز کی ضرورت تھی جس کی وہ تلاش میں تھا) اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس نہ ہو جس کے پاس زائد زادسفر ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس نہ ہو، یہ شخص جس کا نام ونسب اور مذہب کا کچھ بھی اتا پتہ نہیں تھا لیکن وہ ضرورت مند تھا اور آپ ﷺ نے لوگوں کو اس ضرورت مند پر زائد چیز کو صرف کرنے پر لوگوں کو ابھارا حتی کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ تا آنکہ ہم نے دیکھا کہ وہ ہم میں کہ ایک شخص سے اس کے زائد مال کے سلسلے میں جاملہ یعنی جب عمومی ضرورت پیش آئے تو ضرورت مندوں کی زائد مال سے کفالت خود اس سے مستفید ہونے سے پہلے ضروری ہے۔

۷-ابن الاثیر نے الکامل کے اندر حضرت علی بن ابی طالبؓ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں اللہ تعالی نے مالداروں کے مال میں غریبوں کی کفالت بھر مال ان کے لئے فرض کردیا ہے اب اگر مالدار غریبوں کو وہ مال نہیں دیتے تا آنکہ وہ بھوکے رہتے ہیں یا انہیں تکلیف اٹھانی پڑتی ہے تو پھر اللہ تعالی ان مالداروں سے سخت حساب لے گا اور انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

امام جوینی نے اپنی کتاب الغیاثی کے اندر اپنی یہ رائے پیش کی ہے کہ اگر ایک فقیر بھوکا ہو اور اسی کی وجہ سے ان مالداروں کے درمیان دم توڑ دے جو اس کی ضرورت سے واقف تھے تو سارے کے سارے مالدار گنہ گار ہوں گے اور روز جزاء انہیں طلب کرکے ان کا محاسبہ کیا جائے گا۔

ہمارے فقہاء کی اسی طرح کی دوسری عبارتیں بھی پائی جاتی ہیں جیسے کہ ابن حزم اندلسی ظاہری، ابن قدامہ المقدسی الحنبلی، نووی شافعی، محمد بن الحسن الشیبانی الحنفی، کاسانی حنفی، ابن

العربی مالکی وغیرہ ہیں وہ اپنی دقیق ترین فقہی عبارتوں میں مسلمان اور غیر مسلمان کی فرق نہیں کرتے۔

۹- قاعدہ ہے کہ نقصان کی تلافی مال غنیمت سے کی جائے یہ ایک ایسا اصول ہے جو جملہ معاملات میں جاری کیا جاتا ہے زیر بحث مسئلہ میں اس کی تشریح ہے اگر ہم اس ملک کے اندر بحیثیت مسلمان کے رہتے ہیں اور یہاں کی تعلیم مال وزرا اور آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اگر کوئی عورت مطلقہ ہو جائے اس کی اور اس کی اولاد کی کوئی پرورش کرنے والا نہ ہوتو اس صورت میں اس کی ضرورتیں اس ٹیکس کے پیسے سے پوری کی جاتی ہیں جسے مسلمان اور غیر مسلمان دونوں ادا کرتے ہیں، اگر کوئی بے روزگار رہتا ہے تو اسے اسی ٹیکس کی رقم سے ماہانہ وظیفہ ادا کیا جاتا ہے انہیں وجوہات کی بنا پر اپنے پاس پڑوس میں رہنے امریکی پڑوسیوں کی اس انتہائی صبر آزما اور مشکل کی گھڑی میں انہیں اس مصیبت سے نکالنے کے لئے عملی جدوجہد اور مالی طور پر سنجیدہ شرکت کرنی چاہئے جس کے سلسلے میں ماہرین کی رائے یہ ہے کہ پچھلے دس سالوں میں سب سے خوفناک طوفان سے بلکہ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ۱۹۰۶ء کے سان فرانسیسکو کے زلزلے سے بھی زیادہ بڑا یہ حادثہ ہے۔

اس سلسلہ میں ایک سچا واقعہ ہے میں نے خود افریقہ کے مغربی ملک بنین کے ایک قبیلہ کے سردار جناب حاجی سلطان نے بیان کیا ہے کہ ان کے یہاں پورے ملک میں قحط پڑ گیا وہاں اسلامی امدادی تنظیمیں پہنچی جو متاثر مسلمانوں کو اشیاء خورد ونوش فراہم کرتی تھیں حاجی سلطان بھی ان کے پاس گئے ان کا قبیلہ مسلمانوں کے ہی پڑوس میں آباد تھا۔ وہ اور ان کا قبیلہ اس وقت بت پرست تھا انہوں نے امدادی تنظیم سے خورد ونوش کی چیزیں چاہیں تو ایک ذمہ دار نے اپنی کم علمی کی بنیاد پر یہ جواب دیا کہ مسلمانوں کے صدقات میں اس وقت تک آپ لوگوں کا کوئی حق نہیں ہے جب تک آپ مسلمان نہیں ہیں لیک ایک دوسرا ذمہ دار جو کہ علم وبصیرت رکھتا تھا اس نے کہا کہ

انہیں بھی دینا چاہئے کوئی ایک آیت یا حدیث ایسی نہیں پائی جاتی جس کے اندر عمومی طور پر غرباء کو کھانا کھلانے کا حکم نہ پایا جاتا ہو خواہ وہ جو بھی ہوں جیسے بھی ہوں انہوں نے انہیں کھانا اور گوشت دیا یہ ذمہ دار شخص افراد قبیلہ کے ساتھ گیا اور ان سے گفت وشنید کرتا رہا، خورد ونوش کی چیزیں کھانے کے بعد سردار قبیلہ مع قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گئے جو الحمدللہ ۴۰۰ افراد پر مشتمل تھا۔ سردار قبیلہ حج کرنے آئے تھے اور وہیں ان سے میری ملاقات ہوئی۔

آخری بات یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات انسانی اخلاق پڑوس کا حق اور دعوتی ذمہ داری یہ تمام پہلو لازمی طور پر اس بات کے متقاضی ہیں کہ کترینا طوفان یا اس کے علاوہ خدا تعالی کی سرزمین پر جہاں کہیں بھی انسانی سانحے رونما ہووں متاثرین کی امداد کے لئے بھرپور جدوجہد کریں۔

واللہ الموفق

صلاح الدین سلطان
ڈائریکٹر امریکن اسلامک ریسرچ سینٹر برائے اسلامی تحقیقات
ڈائریکٹر برائے فتوی وتعلیمی سینٹر کولمبس ادھایو
نیز یورپ وامریکہ کی دو فقہی کونسل کے رکن